جموں وکشمیر کے غیر مسلم افسانہ نگار

تعارف و تبصرہ

ڈاکٹر کوثر رسول

ادب، آرٹ یا دیگر فنونِ لطیفہ انسانی جذبات وخیالات کے مؤثر اظہار کا وسیلہ ہے۔ یہ ایک طرف ہمارے تفنّنِ طبع کی تسکین کرتا ہے تو دوسری طرف یہ فنکار کے فکر وشعور، دانش وادراک کی بالیدگی جو اسے زندگی کے مختلف تجربات کے طفیل حاصل ہوتی ہے، سے بھی جہانِ ادب کو واقف کراتا ہے۔ اسی لیے ادب کو مسرت وبصیرت کا خوب صورت امتزاج قرار دیا گیا ہے۔ جب آرٹ اور آرٹسٹ کا بنیادی جوہر یہی دو چیزیں قرار پائیں تب یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ آرٹ یا آرٹسٹ نہ کسی خاص گروہ، قبیلے،

رنگ، نسل، مذہب، ملت اور نہ ہی کسی خاص زبان سے تعلق رکھتا ہے اور نہ ہی اس کو جنس کے لحاظ سے مرد یا عورت کے خانوں میں تقسیم کرنا صحیح ہے کیونکہ حق بات یہ ہے کہ فن یا آرٹ سرحدوں سے مبرا و ارفع ہوتا ہے اور اس کا منشاء و مقصد انسان او رانسانیت کی بقا و تشہیر ہے۔ پُشکر ناتھ نے اپنے افسانوی مجموعہ ''عشق کا چاند اندھیرا'' میں کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار یوں کیا ہے:

> ''فن اپنا صلہ آپ ہے ۔یہ انسان کے دل میں محبت کے دِیئے روشن کر دیتا ہے اور دماغ میں خود آگاہی کی قندیلیں، میرے لیے افسانہ نگاری ایک ریاضت ہے اور اس ریاضت کا ایک ہی مقصد ہے ۔ایک بہتر انسان، ایک بہتر زندگی او رایک بہتر دنیا۔ اس بہتر زندگی کا تصّور اس قدر خوبصورت ہے کہ افسانہ نگار یا شاعر یا مصّور انسان کو کبھی رنگ اور نسل، زبان اور مذہب، اپنے پرائے کے الگ الگ خانوں میں بٹا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ اس کو انسان صرف انسان نظر آتا ہے۔ خوبصورت محنت کرنے والا، سورج مکھی کی طرح

ہنس مکھ اور چاند کی طرح اجلا۔ میں بحیثیت انسان
اور بحیثیت افسانہ نگار اسی انسان کا متلاشی ہوں
اور اسی کے لیے افسانے لکھتا ہوں'' [1]

گویا کہ فن کار محض انسان و کائنات سے متعلق اپنے تصورات و نظریات یا کسی خاص نقطۂ نظر کو ادب کے توسط سے سامنے لاتا ہے۔ بلا تخصیص جنس و مذہب تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ فن کار کسی خاص سماج سے تعلق رکھتا ہے جس کا اپنا ایک ثقافتی ورثہ بھی ہوتا ہے اور جو اجتماعی لاشعور کی صورت میں اس کے فن پر حاوی رہتا ہے اس اعتبار سے ہر خطے یا جگہ کا ادب دیگر ادبیات سے بنیادی خصوصیات سے قطعی نظر اپنی ایک الگ شناخت بھی رکھتا ہے۔

جموں و کشمیر بیرونی ریاستوں سے ہمیشہ جغرافیائی' سیاسی' سماجی او رنظریاتی بنیادوں پر الگ اور ممیز رہا ہے۔ یہ وہی خطہ ہے جہاں ایک طرف للّہ واکھوں نے شیو مت او ردوسری جانب شیخ العالمؒ کے شرکوں نے خدا و کائنات کے اسرار و رموز سمجھانے کی سعی کی مگر ان دونوں کے یہاں مشترکہ تہذیب و ثقافت کی بو باس نمایاں ہے جس کے طفیل یہاں کی صوفیت امن و امان' بھائی چارگی اور ایثار و احسان کی اقدار کو عام کر کے ہر مذہب کو مساوی تقدیس و احترام دے کر بلا تردد رسوم و اعتقادات کی ادائیگی

کو جائز قرار دیتی ہے اور اسی مشترکہ تہذیب وثقافت میں پل بڑھ کر یہاں کا ادیب وشاعر مذہب وملت سے ارفع اٹھ کر انسان اور انسانیت کی بقاء میں اپنے زورِ قلم کے کرشمے دکھاتا ہے۔ تاہم جس طرح اردو افسانے کے آغاز سے متعلق پریم چند کو اہمیت حاصل ہے اسی طرح جب ہم جموں وکشمیر کی بات کرتے ہیں تو یہاں بھی ایک غیر مسلم افسانہ نگار پریم ناتھ پردیسی کو اردو افسانے کے باقاعدہ شروعات کا شرف حاصل ہوتا ہے گو کہ اس میں محققین کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ جہاں تک پریم ناتھ پردیسی کا تعلق ہے تو ان کا پہلا افسانہ ۱۹۳۲ء میں روزنامہ ''رنبیر'' میں سچی پرارتھنا'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ شروع میں ان کے یہاں رومانیت کے اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں مگر بعد میں وہ پریم چند سے بے حد متاثر ہوئے کہ پریم چند کا سادہ اور راست اسلوب اور زمینی موضوعات ان کی کہانیوں کا حصہ بن گئے' کسٹم کی نوکری کے سبب انہیں ریاست کے مختلف علاقوں کو دیکھنے کا موقع ملا ڈوگرہ حکومت کے ظلم وجبر کے طفیل عوام کے افلاس واستحصال اور کسمپرسی کے چشم دید گواہ ہوئے بقول نور شاہ:

> ''ان افسانوں میں جہاں کشمیر کی سندرتا نظر آتی
> ہے وہیں انہوں نے کشمیر کے تپتے جہنم کدوں کی
> تصویر کشی بھی کی ہے'' [۲]

جب ان کی کہانی ''ٹیکہ بنٹی'' ''ہمایوں'' لاہور کے سالگرہ نمبر جنوری ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی تو اس کہانی کو سال کی بہترین کہانی قرار دیا گیا۔ پردیسی کی حقیقت پسندی کی طرف مراجعت نے ہی انہیں دھیرے دھیرے جہانِ ادب میں ''کشمیر کے پریم چند'' کے لقب سے مقبول و معروف کیا۔ ان کے کل تین افسانوی مجموعے ''دنیا ہماری'' ۱۹۶۰ء ''شام و سحر'' ۱۹۶۱ء ''ہنستے چراغ'' ۱۹۵۵ء سامنے آچکی ہیں۔ ان افسانوں میں بقول راجندر سنگھ بیدی:

> ''بنیادی خصوصیت انسانی نفسیات کا ادراک' انسانی دکھ کا احساس اور مصنف کا ہمدردانہ رویہ ہے'' [۳]

ان کے افسانوں میں تکنیک' بیان اور ٹریٹمینٹ (Treatment) کے تجربے بھی نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر برج پریمی کہتے ہیں:

> ''پردیسی عظیم روایتی کہانی کار تھے' وہ پلاٹ' سکیم' مقصد اور رغبت کو ایک ہی مالا میں پرونے میں کامیاب ہوتے تھے' وہ پروپگنڈا باز نہیں تھے۔ اس لیے صحافتی گروں سے لاعلم تھے۔ وہ ایک جانب نفسیاتی جزئیات سے آشنا تھے اور

دوسری جانب سماجی تناظر سے گہری واقفیت رکھتے
تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں سیدھے سادے
اور پیچیدہ، دونوں طرح کے کردار ملتے ہیں۔ وہ
ایک عظیم قلم کار تھے'' ۴؎

پریم ناتھ پردیسی کے بعد جموں وکشمیر میں اردو افسانے کے افق پر کئی نام ابھرتے ہیں جن میں ہندو مسلم دونوں شامل ہیں۔ جہاں تک غیر مسلم افسانہ نگاروں کا تعلق ہے۔ ان میں نرسنگھ دیو نرگس اپنے دور کے قلم کاروں میں ایک عظیم مقام رکھتے ہیں۔ ان کی کہانیوں میں دیہاتی زندگی کے مختلف پہلو نظر آتے ہیں۔ تیرتھ کاشمیری نے بھی عام زندگی اور اس کے اخلاقی پہلوؤں کے بارے میں کئی افسانے لکھے ہیں۔ اس دور میں پریم ناتھ در کا نام بھی سامنے آتا ہے۔ ان کے افسانوں میں بقول نور شاہ صاحب:

''غم آلودہ اور درد بھرے ماحول کی عکاسی ملتی ہے
۔ ''گیت کے چار بول'' نامی کہانی میں انہوں نے
مچھلی فروخت کرنے والوں کی زندگی، ان کی
معاشی اور اقتصادی حالت کو پیش کر کے زندگی
کے ایک تاریک رخ سے پردہ سرکایا ہے'' ۵؎

در صاحب کا پہلا افسانوی مجموعہ ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا۔اس کے بعد ان کا دوسرا افسانوی مجموعہ ''نیلی آنکھیں'' ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا۔ان کا افسانہ ''آخ تھو'' آج بھی اہم افسانوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ ان کا افسانہ ''غلط فہمی'' ۱۹۴۵ء میں ''ادبی دنیا'' لاہور میں شائع ہوا۔جس پر مدیر صلاح الدین نے نوٹ لکھا تھا کہ:

> ''پریم ناتھ در ہمارے افسانوی افق پر طلوع ہوتے ہی چمک اٹھا ہے اور اگر وہ نوجوان ہے تو پھر ہمارے موجودہ استادوں کو آگے بڑھائے گا اور فن کا پرچم ان دیکھے میدانوں میں جا گاڑھے گا'' [۶]

ان کے بیشتر افسانوں سے کشمیر کی سماجی اور معاشی زندگی جھلکتی ہے۔ پریم ناتھ در کا مطالعہ وسیع اور مشاہدہ عمیق ہے انہوں نے تحلیل نفسی اور شعور کی رو سے بھی کام لیا ہے۔موضوعات کا انتخاب ان کی دانش کا آئینہ دار ہے۔در کی تحریر کی روانی، اسلوب کی شگفتگی، علامتوں کا برمحل استعمال افسانوں کو چار چاند لگا دیتا ہے۔

ان کے بعد ایک اور اہم نام رامانند ساگر کا آتا ہے جنہوں نے کشمیر کے پسِ منظر میں بہت سے افسانے لکھے۔''ٹنگمرگ کے اڈے پر''

اور ''کشمیر کی بیٹی'' ان کے دو مقبول افسانے ہیں۔ افسانہ ''بخشش'' بھی ان کا ایک اہم افسانہ ہے۔ چونکہ وہ فلمی دنیا سے وابستہ ہو گئے اس لیے افسانوں کی دنیا سے دور ہو گئے۔

اس دور کے بعد غیر مسلم افسانہ نگاروں کی ایک اور قبیل سامنے آتی ہے۔ جن میں ٹھاکر پونچھی، موہن یاور، کشمیری لال ذاکر، تیج بہادر بھان، پشکر ناتھ، برج پریمی، برج کتیال، مالک رام آنند، لیش سروج، رام کمار ابرول، وجے سوری کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے چند کا خصوصیت سے ذکر ناگزیر ہو جاتا ہے۔ جیسے ٹھاکر پونچھی ان کی کہانیوں میں پہاڑی رومان اپنی پوری آب و تاب مگر فطری انداز میں سامنے آتا ہے۔ ان کے ناولوں کی تعداد اچھی خاصی ہے لیکن ان کے صرف دو افسانوی مجموعے ''زندگی کی دوڑ'' اور ''چناروں کے چاند'' منظر عام پر آ چکے ہیں۔ اسی طرح موہن یاور اپنے افسانوں میں شہری زندگی کو منظر عام پر لانے میں کامیاب رہے۔ ان کے افسانوں کے تین مجموعے ''وسکی کی بوتل''، ''سیاہ تاج محل'' اور ''تیسری آنکھ'' سامنے آ چکے ہیں۔ نور شاہ صاحب ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''موہن یاور کے افسانوں کی سب سے بڑی خوبی
> یہ تھی کہ وہ اپنے آس پاس سے کہانیوں کا مواد

سمیٹ لیتے تھے، واقعات کی دنیا سے زندہ کردار
منتخب کرتے تھے اور پھر انہیں فن اور تکنیک کے
قالب میں ڈھال دیتے تھے۔ وہ انسانی نفسیات
پر بھی کافی گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کے افسانوں
میں انسانیت کا گہرا خلوص بھی ملتا ہے'' ۷

تیج بہادر بھان بقول نور شاہ وہ ایک پیدائشی قلم کار تھے۔ ان کا پہلا افسانہ ''لال چنری'' تھا جو ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا۔ ان کے افسانوی مجموعے'' جہلم کے سینے پر''، ''عورت'' اور ''تلاش'' سامنے آئے ہیں۔ تیج بہادر نے کسی کی تقلید نہیں کی اور اپنے لیے الگ راستہ ڈھونڈ نکالا۔ ان کی افسانہ نگارے کے بارے میں محمد یوسف ٹینگ صاحب یوں رقم طراز ہیں:

''تیج نہ تو بھڑکیلے پہناوے پہنتا ہے اور نہ اس کا فن
بھڑکیلے انداز میں سامنے آتا ہے۔ اس میں ظاہری
نمود و نمائش کے بہت کم اجزا شامل ہیں اور اس خیرہ
کن روشنی کے بھی ضو بیک دم قاری کی نگاہوں
کو چُندھیا کر اس کی توجہ حاصل کر لیتی ہے۔ اس پر
طرہ یہ کہ وہ سطحی داستانوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔ چونکا
دینے والی تکنیک سے بھی وہ دور ہے'' ۸

تیج بہادر کے نام کے ساتھ ہی پُشکر ناتھ کا نام سامنے آتا ہے۔ پُشکر ناتھ نے اپنا پہلا افسانہ ''اور کہانی ادھوری رہ گئی'' برج پریمی کے چیلنج کے طور پر لکھا تھا' جو بے حد مقبول ہوا۔ان کے افسانوی مجموعے ''ڈل کے باسی''، ''اندھیرے اجالے''، ''کانچ کی گڑیا'' منظر عام پر آ چکے ہیں۔ان کے افسانوں میں نفسیاتی الجھاؤ' سماجی اور سیاسی مسائل' اقدار کا بحران' کینہ پروری اور ماحول کی کثافت کو اکثر موضوع بنایا گیا۔وہ ماحول کا دقیقہ شناسی سے جائزہ لیتے ہیں اور قاری کے ذہن پر تصویر کھینچنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ان کے اندازِ تحریر میں عجب سے گھلاوٹ ملتی ہے۔جدیدیت سے متاثر ہوکر انہوں نے تکنیک اور اسلوب کے کئی تجربے کیے مثلاً افسانہ ''پردہ نشین'' میں شعور کی رو کا شائبہ نظر آتا ہے۔نور شاہ صاحب ان کی افسانہ نگاری کے بارے میں اپنے تاثرات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

> ''پُشکر ناتھ کے افسانوں میں شعور اور احساس کی پختگی ملتی ہے' انتہائی پیاری زبان نے ان کے افسانوی فن کو ایک نیا انداز بخشا۔وہ اس بات کے قائل تھے کہ زبان اور برتاؤ ایک ادیب کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔خوبصورت تخیل کے ساتھ ساتھ ان کے افسانوں میں حقیقت پسند نظریہ بھی

ملتا ہے۔ وہ اپنی کہانیاں بڑے سلیقے سے قلم بند
کرتے ہیں'' ۹

ڈاکٹر برج پریمی نے اپنی افسانوی زندگی کا آغاز ۱۹۵۰ء میں ''آقا'' نامی کہانی لکھ کر کیا۔ اپنی کہانیوں کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

''میری ادبی زندگی کا سفر بیسویں صدی کے نصف
میں کہانی کار کی حیثیت سے شروع ہوا اور کافی
عرصہ تک میں اپنی روح کا درد اپنی کہانیوں میں
انڈیلتا رہا اور اب بھی جب کسی داخلی کرب کی
ٹیسیں اندر ہی اندر دور تک کاٹتی چلی جاتی ہیں تو
کہانی جنم لیتی ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک
نہیں کہ کہانی میرا پہلا عشق ہے'' ۱۰

ان کی تحریر کردہ کہانیوں میں'' سپنوں کی شام''، ''لمحوں کی راکھ''، ''خوابوں کے دریچے'' اور ''میرے بچے کی سالگرہ'' آج بھی لوگوں کے ذہنوں میں محفوظ ہیں۔ برج کتیال کی کہانیوں میں ''موت کے راہی'' اور ''نرگس کے پھول'' اچھی کہانیوں میں شمار ہوتی ہیں۔

ویدراہی کا پہلا افسانہ'' کالے ہاتھ'' ۱۹۶۰ء میں چھپا تھا۔ ''برف کا پھول'' ان کی شاہکار کہانی ہے۔ افسانہ'' یہ پربت میرے ہیں'' کو بھی

قارئین نے خوب پسند کیا۔ وہ اپنے افسانوں میں نفسیات کا اچھا تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ بقول جان محمد آزاد:

''آپ ایک مخصوص تصور کے اردگرد افسانے کا تانا بانا بُنتے ہیں اور پھر اس تصور میں اپنے طلسماتی زور بیان سے زندگی کے رنگ بھر دیتے ہیں۔ آپ پہلے افسانہ نگار ہیں جن کی کہانیوں میں جموں اور اس کے گردو پیش کے سنگلاخ پہاڑی علاقوں میں رہنے والوں کی زندگی عکس ریز ہوتی ہے'' [11]

چنداور نام یوں ہیں۔ یش سروج' ان کے افسانوی مجموعے کا نام'' پیاسی زمین'' ہے۔ مالک رام آنندان کے افسانوی مجموعے'' شہر کی خوشبو'' اور'' تصویر کے پھول'' ہیں۔ رام کمار ابرول اگر چہ کہانیاں بھی لکھتے تھے لیکن فلم ان کی کمزوری تھی' وجے سوری کی کہانیوں کا مجموعہ'' آخری سوداگر'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے۔ وہ بھی فلمی دنیا کے ہی ہو کے رہ گئے۔

خطۂ جموں وکشمیر میں چند معروف غیر مسلم افسانہ نگار ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز گو کہ اردو افسانے لکھ کر کیا لیکن بعد میں اپنی مادری زبان میں لکھنے لگے لیکن آج بھی اردو کے افسانہ نگاروں کے ہجوم

میں ان کا نام روشن ہے۔ ان میں سوم ناتھ زتشی، پروفیسر مدن موہن شرما، امیش کول، ہردے کول بھارتی، دیپک کول، گنشام سیٹھی، ہربھجن سنگھ ساگر، سوم ناتھ ڈوگرہ، مدن شرما، خیراتی لال زخمی، نند گوپال باوا، جوتیشور پتھک وغیرہ۔

غیر مسلم افسانہ نگاروں کی ایک کھیپ ایسی بھی ہے جنہوں نے ہجرت کا کرب سہا، جنہیں اپنی زمین و ثقافت سے بچھڑ کر کلچرل تضاد یا Conflict سے دوچار ہونا پڑا، جن کا سب سے اہم مسئلہ تشخص کی تلاش و جستجو رہا۔ چنانچہ ایسے حالات میں ان کی تحریروں میں ناسٹلجیائی عناصر بھی در آئے اور تاریخ و ثقافت کی بازیافت بھی ان کا اہم موضوع بن جاتا ہے ۔ایسے میں وہ ہندو اساطیر اور جمالیات کے ماخذات کی طرف بھی لوٹتے ہیں۔ معاشرے میں ہورہی بے ضابطگیوں، بدعنوانیوں، ذاتی مصیبتوں، لوٹ مار، آتش زنی ان تمام انسانیت سوز واقعات کی تصویریں ان کے افسانوں میں دکھائی دیتی ہیں۔ اس دور میں ادب پر جدیدیت کا غلبہ ہونے کی وجہ سے ان افسانہ نگاروں نے مختلف علامتوں، تشبیہوں اور تلمیحوں کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔ ان افسانہ نگاروں میں ویریندر پٹواری، کلدیپ رعنا، کے۔ کے۔ نندہ اشک، گردھاری لال خیال، آنند لہر، دیپک کنول، بلراج بخشی، دیپک بُدکی، رتن سنگھ پہلگامی، پروفیسر سیوا سنگھ وغیرہ کے

نام لیے جاسکتے ہیں۔

جہاں تک ویریندر پٹواری کا تعلق ہے چونکہ انہوں نے بھی ہجرت کا کرب جھیلا ہے اس لیے ان کے افسانوں میں بچھڑے وطن سے متعلق ناسٹلجیائی یادیں اور سماجی وسیاسی ماحول کا تجزیہ بھی ملتا ہے۔ان کے فن کے بارے میں بلراج کومل لکھتے ہیں:

''آپ کے افسانوں میں انسان دوستی کا رویہ
انسانی رشتوں کے نفاذ وتوازن کو ایسی ہمدردانہ
جہت عطا کرتا ہے کہ جو صرف وسیع النظری اور
کشادہ دلی سے فن کار کو حاصل ہوسکتی ہے'' ۱۲؎

ان کے افسانوی مجموعے''بے چین لمحوں کا تنہا مسافر''،''آواز سرگوشیوں کی''،''ایک ادھوری کہانی''منظر عام پر آچکے ہیں۔

کلدیپ رعنا: ان کے افسانوی مجموعے''ادھورے خواب''،''تنہائیاں'' ہیں۔ان کے افسانوں کے بارے میں ڈاکٹر برج پریمی لکھتے ہیں:

''ایسے نفسیاتی معاملوں سے دلچسپی تھی۔اس کے
افسانوں میں ایک عجیب بے چینی' ایک بے نام سی
باطنی تلملاہٹ کا احساس ہوتا ہے۔یہ اس کا ذات

غم تھا یا اس کے مطالعے کی گہرائی، میں کہہ نہیں
سکتا، لیکن اس کی کہانیوں میں ایک گھمبیر آہنگ
پیدا ہوا تھا اور انسان کے باطن کے کرب کی کسک
عجیب انداز سے سامنے آ رہی تھی۔ زبان و بیان پر
اس نے آہستہ آہستہ حیرت انگیز قدرت حاصل
کر لی تھی'' ۱۳؎

آنند لہر: ان کی پہلی کہانی '' پتھر کے آنسو'' کالج میگزین میں ۱۹۷۲ء میں چھپی تھی، آنند لہر کے یہاں زیادہ تر انٹی اور تجریدی کہانیاں ملتی ہیں۔ ہندو اساطیر اور دیو مالا سے بھی خوب کام لیتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں سیاسی و سماجی طنز کا استعمال بھی ہوتا ہے۔ مختلف علامتوں کا بر محل اظہار ملتا ہے۔ موضوعاتی سطح پر زندگی کی بے معنویت، معاشی ناہمواری، طبقاتی تضادات، بے چینی، تنّفر، مادیت پرستی اور میکانکسی عمل کا احساس ہوتا ہے تاہم وہ رجائیت پسند بھی ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعے ''سرحد کے اس پار''، ''انحراف''، ''کورٹ مارشل'' سامنے آ چکے ہیں۔ ''عید سے پہلے'' ان کا ایک بہترین افسانہ ہے۔

دیپک کنول: ''یہ کس کا لہو ہے؟'' ان کا پہلا افسانہ ۱۹۷۳ء میں سامنے آیا۔ ان کے یہاں بھی دھرتی سے بچھڑ جانے کا غم، پسماندہ طبقات

کے مسائل اور انسانی جذبات کے نرم گوشوں کی عکاسی ملتی ہے۔ان کا اسلوب نہایت ہی مؤثر اور بلا واسطہ ہے ۔ جو قاری کو ابتداء ہی سے اپنی گرفت میں لیتا ہے۔ان کے افسانوی مجموعے کا عنوان ''برف کی آگ'' ہے۔اس بارے میں دیپک بُدکی لکھتے ہیں:

> ''برف کی آگ میں شامل کیے گئے سبھی چودہ افسانے کشمیر سے تعلق رکھتے ہیں اور بیشتر افسانے وہاں ہورہی خون ریزی اور دہشت گردی پر بالواسطہ طور پر روشنی ڈالتے ہیں۔دیپک کنول کی زبان سادہ اور بامحاورہ ہے جس میں طنز کی چاشنی بھی کہیں کہیں نظر آتی ہے۔افسانوں سے حقیقت اور واقعیت نگاری صاف جھلکتی ہے ۔حالانکہ دیپک کنول اس دور میں بھی فعال رہے جب اردو میں جدیدیت کا بول بالا تھا۔مگر ایسا لگتا ہے کہ ان کی تحریروں پر اس تحریک کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ان کے افسانے موپاساں اور منٹو کی طرح حیرت انگیز طریقے سے اختتام کو پہنچتے ہیں'' [۱۴]

بلراج بخشی: ان کے افسانوں کے مجموعے ''چاند کا دھواں'' ۱۹۶۹ء

اور ''ایک بوند زندگی'' ۲۰۱۶ء میں منظر عام پر آ چکے ہیں۔علی احمد فاطمی نے اپنے مضمون بعنوان ''انسانیت اور احترام آدمیت'' میں بلراج بخشی کے دوسرے افسانوی مجموعہ ''ایک بوند زندگی'' کی کہانیوں کو خوب سراہا ہے۔ان کہانیوں کو وہ امن و آشتی، اخوت، مذہبی رواداری جیسے عظیم اور انسانیت ساز بیانیے قرار دیتے ہیں خاص کر ان کہانیوں کو Global نوعیت کی کہانیوں میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''کہانیاں اور بھی ہیں لیکن ان دو کہانیوں ''ڈیتھ سرٹیفکیٹ'' اور ''مشترکہ اعلامیہ'' کے بارے میں، میں پورے تیّق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس دور میں نئی اردو کہانیوں کی بھیڑ میں کم از کم میری نظر سے ایسی سماجی اور سیاسی نوعیت کی کہانیاں نہیں گزریں'' ۱۵

دیپک بُدکی: ان کے افسانوں کے مجموعے ''ادھورے چہرے''، ''زیبرا کراسنگ پر کھڑا آدمی''، ''چنار کے نیچے''، ''ریزہ ریزہ حیات''، ''روح کا کرب'' منظر عام پر آ چکے ہیں۔ان کی افسانہ نگاری کے بارے میں وہاب اشرفی یوں رقم طراز ہیں:

> ''زندگی کی دھوپ چھاؤں کے یہ افسانہ نگار اپنی

آنکھیں ہمیشہ وار کھتے ہیں۔آج کے حالات جیسے
بھی رہے ہوں، وہی ان کی تخلیق وجود یت کا
باعث ہیں۔اس بیکراں دنیا میں بہت سے
فلسفیانہ خیالات وافکار بکھرے پڑے ہیں۔لیکن
دیپک بُدکی نہ تو فلسفی بننا چاہتے ہیں نہ مثالی
دانشور، وہ بنیادی طور پر زندگی اور اس کے مختلف
تیور اور نہج کے طالب علم رہے ہیں اور اس مرحلے
سے گزرتے ہوئے عرفان وآگہی کی منزل تک
پہنچتے ہیں۔زندگی کسی بھی فن کار کو چین سے ایک
کروٹ بیٹھنے نہیں دیتی، لازماً اس کا احساس
ہوتا ہے لیکن دیپک بدکی کی تخلیقی حِسیت
انہیں مسلسل مہمیز کرتی رہتی ہے۔اس عمل میں وہ
ایک اضطراب کی زندگی گزارتے ہیں۔زندگی
کے باب میں بہت سوالات انہیں گھیرے رہتے
ہیں، کہیں سے کوئی تشفی بخش جواب نہیں ملتا، تب
وہ افسانے کی راہ سے کتھارسس سے گزرتے ہیں
اور ہر افسانے کو ایک آئینہ کی جہت دے کر

زندگی کی سوکھی پھیکی قدروں کونشان زد کرتے
ہیں'' ۱۶؎

غیر مسلم افسانہ نگاروں میں سکھ برادری سے بھی کئی حضرات نے جموں وکشمیر کے افسانوی ادب میں گراں قدر اضافے کیے ہیں۔جیسے ہر بھجن سنگھ ساگر انہوں نے بھی عمدہ قسم کے افسانے تخلیق کیے ہیں۔جن میں مشترکہ تہذیب وثقافت سے جڑے رسوم وآداب کے علاوہ اس زمین سے تعلق رکھنے والے ایک عام انسان کے سماجی ومعاشی مسائل، طبقاتی کشمکش، بھوک افلاس، اس کی نفسیاتی الجھنوں اور اقتصادی بدحالی کی مؤثر تصویریں جابہ جا نظر آتی ہیں۔رتن سنگھ پہلگامی نے بھی موجودہ زندگی کی تکثیریت کو اپنے افسانوں میں جگہ دے کر ایک طرف روایتی افسانے کو آگے بڑھایا تو دوسری جانب وہ سبک انداز میں نئی فکری جہات کا احاطہ کرنے کی سعی میں شامل ہیں۔پروفیسر سیوا سنگھ نے اپنی پنجابی کہانیوں کو اردو کے قالب میں ڈھال کر ان کو مقامیت کے رنگ سے یوں مَس کیا کہ یہ کہانیاں بلا مبالغہ تین تہذیبوں کی خوبصورت تثلیث معلوم ہوتی ہے۔

مجموعی اعتبار سے ان غیر مسلم افسانہ نگاروں کے یہاں اگر ایک طرف اپنی زمین سے بچھڑنے کا کرب، گھر واپس لوٹنے کی چاہت ملتی ہے تو دوسری طرف وہ اس خطے میں موجود تضاد، بدامنی، ماحولیاتی کثافت کے نتیجے

میں ایک عام انسان کے معاشی وسماجی، جنسی وروحانی استحصال کی داستان کوشدت سے محسوس کرتے ہوئے اس کواپنی کہانیوں کے قالب میں ڈھال رہے ہیں۔ان افسانوں کے تخلیق کارسماجی، معاشی، عدم مساوات کے خلاف اپنی آواز بلند کررہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں کے سبھی لکھنے والے بلا تخصیص مذہب ایک کہانی کار جوفقط انسان ہے۔بقول نورشاہ صاحب:

''وہ سیاسی بے راہ روی اور رجعت پسندانہ رویوں
کے خلاف اپنی تحریروں کے ذریعہ ایک ان دیکھی
لڑائی لڑرہے ہیں، بھائی چارے، اخوت اور مذہبی
رواداری کی عظمت کوآگے بڑھارہے ہیں یہاں
کے افسانہ نگار انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے
افسانوں کے ذریعہ کوشش کررہے ہیں کہ یہاں
کے حالات وواقعات کی صحیح ترجمانی ہو وہ اپنی
کوششوں میں کامیاب نظر آرہے ہیں'' ۱۷

حواشی

۱۔ پشکر ناتھ'' افسانوی مجموعہ ''عشق کا چاند اندھیرا'' سیمانت پرکاش، نئی دہلی ۱۹۸۱ء

۲۔ ''ٹیکہ بنٹی'' کا خالق پردیسی کہاں گئے وہ لوگ'' نور شاہ ص ۱۴

۳۔ راجندر سنگھ بیدیؔ' تاثرات' مجموعہ شام وسحر' مصنف پریم ناتھ پردیسی بحوالہ ''جموں وکشمیر کے اردو مصنفین'' جان محمد آزاد' جے اینڈ کے اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز، سرینگر کشمیر ۲۰۰۴ء ص ۳۷

۴۔ ڈاکٹر برج پریمی' پریم ناتھ پردیسی۔ کشمیر کا پریم چند' کشمیر سینٹی نیل' آن لائن، انگریزی سے ترجمہ۔ دیپک بدکی۔

۵۔ نور شاہ۔ ''جموں وکشمیر میں اردو افسانہ'' بحوالہ ''شیرازہ'' ''جموں وکشمیر میں اردو نثر'' جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز۔ جلد ۵۱' شمارہ:۴' ص ۳۷

۶۔ صلاح الدین، ''ادبی دنیا'' لاہور بحوالہ ''چناروں کے سائے میں'' مصنف پریم ناتھ در، مرتب
جی آر حسرت گڑھا، فن کار کلچرل آرگنائزیشن سرینگر ۱۹۹۱ء ص ۱۱
۷۔ نور شاہ، موہن یاور، ''جموں وکشمیر کے اردو افسانہ نگار'' تعارف، فن اور مکالمہ، میزان پبلشرز،
سرینگر ۲۰۱۱ء ص ۵۱
۸۔ محمد یوسف ٹینگ، 'جموں وکشمیر کے اردو مصنفین' جے اینڈ کے اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز،
سرینگر ص ۴۷
۹۔ نور شاہ، پشکر ناتھ، 'جموں وکشمیر کے اردو افسانہ نگار' تعارف، فن اور مکالمہ میزان پبلشرز،
سرینگر ۲۰۰۱ء ص ۶۶
۱۰۔ برج پریمی، بحوالہ 'برج پریمی کی افسانہ نگاری' مصنف دیپک بدکی ''عصری تحریریں''
میزان پبلشرز، سرینگر ص ۴۵
۱۱۔ جان محمد آزاد، وید راہی، 'جموں وکشمیر کے اردو مصنفین'

جے اینڈ کے اکیڈیمی آف آرٹ کلچر
اینڈ لینگویجز، سرینگر ص ۴۷۰
۱۲۔ بلراج کومل، ویریندر پٹواری، معاصرین کے خیال ریزے
ماہنامہ ''شاعر'' ممبئی ،
فروری ۲۰۰۶ء ص ۱۳
۱۳۔ ڈاکٹر برج پریمی، بزم احساس میں قائم ہے خلا تیرے بعد۔
اے وائے کلدیپ رعنا، چند تحریریں،
دیپ پبلی کیشنز سرینگر، ۱۹۸۸ء ص ۱۸۷
۱۴۔ دیپک کنول، بحوالہ عصری تحریریں، میزان پبلشرز سرینگر، ۲۰۰۶ء
ص ۸۸۔۸۷
۱۵۔ علی احمد فاطمی، مضمون، بعنوان انسانیت اور احترام آدمیت کی
کہانیاں، مشمول افسانوں کا مجموعہ
'' ایک بوند زندگی'' مصنف بلراج بخشی ''ڈیتھ سرٹیفکیٹ'' اور
''مشترکہ اعلامیہ'' کے حوالے سے۔
۱۶۔ وہاب اشرفی، تبصرہ، افسانوی مجموعہ ''زیبرا کراسنگ پر کھڑا
آدمی'' ''مباحثہ'' شمارہ:۳۱،
جنوری تا مارچ ۲۰۰۹ء

۱۷۔ نور شاہ، ''جموں و کشمیر میں اردو افسانہ'' بحوالہ ''شیرازہ''
''جموں و کشمیر میں اردو نثر''، جموں اینڈ
کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز جلد ۱۵، شمارہ ۴ ص
۴۲

☆☆☆